

## جامع الصفات انسان

سید عطاء اللہ شاہ بخاری بلاشبہ ایک جامع الصفات انسان تھے۔ قدرت نے انہیں دل و دماغ کی بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا۔ انسان الفاظ کے استعمال میں عموماً فیاض ہوتا ہے۔ مدح ہو یا قدح۔ قلم و زبان اکثر بے روک ہو کر چلتے ہیں لیکن شاہ جی کا معاملہ یہ تھا کہ کمالات و محاسن کے جتنے الفاظ بھی فراہم ہو سکتے ہیں انہیں ترازو کے ایک پلڑے میں رکھیں اور دوسرے پلڑے میں شاہ جی کے حسن و خوبی کا سراپہ ہو تو یقیناً دوسرا پلڑا ہی جھکے گا۔ شاہ جی ایک خاص سانچے میں ڈھلے ہوئے تھے۔ یہ سانچہ اب ٹوٹ چکا ہے۔ اور اس عہد کے لوگ بھی رفتہ رفتہ اٹھتے پھلے جاتے ہیں۔

اس بارے میں دو رائیں نہیں ہو سکتیں کہ شخصیتیں ہی تہذیبی و معاشی حالات کے تقاضوں اور ضرورتوں کا مظہر ہوتی ہیں۔ ان کا وجود عوام سے کمپیں بلند ہوتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ عوام کی پیروی کے لئے نہیں عوام کے رہنمائی کے لئے پیدا ہوتے ہیں۔ اور زمانہ سے ماورائی نہ ہو کر بھی اس سے مستثنیٰ ضرور ہوتے ہیں۔ شاہ جی فکر و نظر اور جد و عمل کے ایک خاص عہد کی پیداوار تھے۔ اس عہد نے واقعہً ہماری قومی صفوں میں بڑے بڑے آدمی پیدا کئے۔ شاہ جی گویا اس مظل کا آخری چراغ تھے۔ ایک دو نشانیاں اور ہوں گی لیکن وہ بھی مہمانِ نفس یک دو نفس ہیں۔

بہت آگے گئے باقی جو ہیں تیار بیٹھے ہیں!

یہ لوگ جس زمانے میں اپنے بلند آہنگ حوصلوں کے ساتھ سامنے آئے تھے جب تک ہمارے سامنے اس دور کی صحیح تصویر نہ ہو اس وقت تک ہم اس مٹی کے محاسن کا اندازہ ہی نہیں کر پاتے جس مٹی سے ان لوگوں کے ہیکر تیار ہوئے تھے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ ماضی اپنی خاص روایتوں کے ساتھ گور کنارے آچکا تھا اور اس کے روبرو ایک نیا دور اپنی تمام شدتوں کے ساتھ نشو و نما پا رہا تھا۔ جہاں تہاں برطانوی سامراج کے خلاف خیالات برہمی تیزی سے کوٹھیں لے رہے تھے دماغوں میں بہم و جود احتجاج موجود تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے نتائج نے اس احتجاج کا راستہ صاف کر دیا۔ پورے ملک کی خواہش آزادی رولٹ ایکٹ، جلیانوالہ باغ اور تحریک خلافت کے داخلی و خارجی اثرات کے تحت ایک مرکز پر آگئی اس مرکز نے رہنمائی اور اس کے مظاہر کا ایک نیا قافلہ پیدا کیا شاہ جی اسی قافلے کے ممتاز حدی خوانوں میں سر فہرست تھے۔ اور حور کرنے سے یہ عجیب و غریب بات نکلتی ہے کہ جو لوگ اس قافلہ میں شمرک تھے وہ کسی تنہا خوبی ہی میں منفرد نہیں تھے۔ بلکہ ان کی ذات بہت سی خوبیوں کا مجموعہ تھی۔ احوال کی رفتار کا یہ عالم تھا کہ زندگی کا ہر گوشہ تبدیلیوں سے متاثر ہو رہا تھا۔ نہ صرف دنیا نے ایک نیا سانچہ قبول کر لیا بلکہ فکر و نظر کے سبھی دوائر ایک نیا روپ اختیار کر رہے تھے۔ شاہ جی معاً ان عقائد و صلحاء کے وارث تھے جنہوں نے اسلام کی اساس پر انگریزوں کی بیخ کنی کا عہد کیا تھا۔ اور دیوبند کا مدرسہ جن کے امتیازی معیارات کی علامت تھا۔ اس ذہن کی تعمیر میں بہت سے عوامل کا

ہاتھ کار فرما رہا۔ اب جو قومی احتیاج کی اجتماعی روح عدم تشدد کے طریق اور عدم تعاون کی تکنیک سے پر جم کٹا ہوئی تو عثمانی خلافت کا سکوت اور عرب ملکوں کے حصے خمرے اس ذہن کے لئے مہمیز ثابت ہوئے۔ اسلامیت اور وطنیت کے ملے جلے جذبات نے ۱۸۵۷ء کے بعد ۱۹۱۹ء میں آزادی کا ایک ایسا ولولہ پیدا کیا کہ ذہنی طور پر انگریز مارے ملک کے دماغوں اور دلوں سے ٹکل گیا۔ رہا تو ان لوگوں کے دلوں میں جو انگریزی بساط کے مہروں کی حیثیت رکھتے اور اپنے گرد و پیش انسانوں کی ایک اقلیتی کھپ کے وفاداری بشرط استواری کے تحت سودا کرتے۔

انگریزی حکومت کے دبدبے نے ۱۸۵۷ء کے بعد اس برصغیر کو نہ صرف مفتوح کر لیا بلکہ مغلوب لوگوں کے ساتھ مرعوب دماغوں کا بازار بھی رونق پر تھا۔ مگر تحریک لاتعاون کے برگ و بار نے مسلمانوں کی عیان رہنمائی دفعۃً ان لوگوں کے حوالے کر دی جنہیں قدرت نے شکوہ ترکمانی، ذہن ہندی، اور لفظی اعرابی دے کر پیدا کیا تھا اور جن میں اکثر ماضی مرحوم کے خلوت خانہ قنیل میں زندگی بسر کرنے کے عادی تھے۔ سید عطاء اللہ شاہ اسی ماضی کا تعمیلی پیکر تھے۔ ان کا ہر وار ایک بانگے یکیت کی طرح چوک رہا۔ وہ کسی نہ سمجھنے والی روح لے کر آئے تھے آج چونکہ دنیا بہت آگے ٹکل چکی ہے اور اس عہد کی ادا شناس پود بھی قریب قریب ختم ہو چکی یا ہو رہی ہے پھر قلم و زبان کے نئے نئے رسم و اسفند یا پیدا ہو رہے ہیں۔ لہذا یہ سمجھنا یا سمجھنا ذرا مشکل ہے کہ ان لوگوں نے ملک و قوم کو کیا کچھ عطا کیا؟

صبح ضرور ہوئی ہے اور سورج بھی وقت پر ٹلکا ہے۔ لیکن طلوع و غروب کا فاصلہ یونہی ملے نہیں ہوتا پہلے ستارے اجڑتے، رات کٹتی پھر پو پٹتی ہے۔ اس حقیقت کو جاننا اور پہچانا اشد ضروری ہے کہ قومی آزادی تاریخی اعتبار سے کبھی کسی فرد واحد کی تنہا فراست اور تنہا ہمت کا نتیجہ نہیں ہوتی اور نہ اس کا پودا آنا فانا بار آور ہوتا ہے۔ یہ حکایت ایک طویل عمل اور ایک طویل عہد سے مرتب ہوتی ہے یہ صبح ہے کہ قومی خواہشوں اور ملکی ولولوں کا مظہر بسا لوقات ایک ہی وجود ہوتا ہے اور عامۃً الناس کے قدم اُن کے کھد مہوں کے ساتھ اٹھنے لگتے ہیں۔ لیکن اصلاح و حریت و استقلال کا یہ قہر بے شمار لوگوں کی جگہ کاری، سرفروشی اور فراست و دانائی سے اٹھتا اور بنتا ہے۔

مثلاً بھوک ہے۔ اس کے کھانا پھر انسان روٹی کھاتا ہے۔ لیکن بھوک پہلے قہر سے نہیں مٹتی۔ بلکہ یکے بعد دیگرے بہت سے قہرے کھانا پڑتے ہیں۔ آخر میں ایک قہر ایسا ہوتا ہے کہ اس کے بعد بھوک نہیں رہتی۔ ظاہر ہے کہ یہ آخری قہر ہی بھوک کا دوا نہیں ہوتا بلکہ پہلے قہر سے لے کر آخری قہر تک جتنے قہرے بھی پیٹ میں جاتے ہیں ان کی اجتماعی طاقت سے پیٹ بھر جاتا ہے۔ بھونڈی مثال آزادی کی ہے۔ کہ یہ عمارت سنگ و خشت کی نہیں ہوتی لیکن سنگ و خشت سے بنی ہوئی عمارتوں ہی کے اصول اس پر عائد ہوتے ہیں۔ بنیادیں کمود نے بنیادیں بھرے، دیواریں اٹھانے، اینٹیں لگانے، گارا بنانے اور رنگ و روغن کرنے کے بیسیوں مرحلے پیش آتے ہیں تب ایک عمارت کھڑی ہوتی ہے۔

شاہ جی بیالیس سال قبل جس ہر اول دستے کے ساتھ ٹکے تھے وہ لازماً قومی آزادی اور قومی استقلال کی

جدوجہد کا مقدمہ ابلیش تھا۔ ان کے سامنے صرف آخری مرحلہ ہی نہ تھا بلکہ وہ ابتدائی مرحلے میں تھے اور اس مرحلے کو پیدا کرنا بھی ان کے ذمہ تھا۔ انہوں نے، خبرزینوں میں بل جوتا انہیں ہموار کیا۔ پھر ریج بویا، کھیت سینچا، موافق موسم کی تجدیداشت کی، مخالفت موسم کے تناؤ سے، آخر فصل بچی۔ اب کیا ضروری تھا کہ بجائی کرنے والے ہی کٹائی کے وقت موجود ہوتے۔ قافلہ چلتا اور بڑھتا رہا حتیٰ کہ منزل سامنے آگئی اور ہم آزاد ہو گئے۔ اب نصف صدی پہلے مڑ کر دیکھیں تو ان، خبرزینوں کو سیراب کرنے کی مشکلات کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے!

غرض پاکستان اور ہندوستان کا کوئی گوشہ ہو گا جہاں شاہ جی کی آواز نہ گونجی ہو۔ ان کی آواز کا علم ہر کہیں لہرا رہا ہے۔ برصغیر کے ایک عظیم رہنما کا قول ہے کہ یہاں کا چپہ چپہ شاہ جی کے جہد آشتیادموں کا شکر گزار ہے مگر مغربی پاکستان چونکہ ان کا مسکن اور ان کے بزرگوں کا مولد رہا اس لئے مرحوم دلی سے لے کر مرحوم پنجاب کے دور افتادہ علاقوں ہی کو انہوں نے اپنی نوابیرانیوں کے لئے منتخب کیا اور یہیں اکثر و بیشتر انگریزی حکومت کے مختلف الاصل قتلوں کو مسمار کرتے رہے۔ پنجاب اور اس طرف کے علاقے ایک خاص عسکری ضرورت کے تحت برطانوی سامراج کا بازو لئے شمشیر زن تھے۔ انگریزوں نے ان علاقوں میں مختلف مفادات کی پخت و پز کر کے یہاں کبھی سیاسی شعور اور قومی آزادی کے ولولوں کو بڑھنے یا پھینے نہ دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب تک ہم اس علاقے کی صحیح صحیح سیاسی معاشی اور معاشرتی صورت حال سے واقف نہ ہوں اس وقت تک ہم ان محرکات کو جاننے سے قاصر رہیں گے جن کا منطقی نتیجہ ہماری قومی آزادی کا وجود ہے۔ یا جس معنوی طاقت کی اساس پر یہ ساری عمارت کھرمی ہے۔

حالت یہ تھی کہ آئندہ ہندوستان میں مرحوم پنجاب ہی ایک ایسا صوبہ تھا جہاں انگریزی مفادات کی بو قلوبیاں مضبوط بنیادوں پر قائم تھیں اور انگریز کسی حالت میں بھی یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اس صوبے کے لوگوں میں حریت خواہی کا جذبہ پیدا ہو۔ اس مقصد کے لئے اس صوبہ پنجاب کے تین فرقوں یا قوموں (ہندوؤں، مسلمانوں اور سکھوں) کو مفادات کے خانوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ہندوستان کا مسئلہ اگر ہندوؤں اور مسلمانوں کا مسئلہ تھا تو پنجاب میں یہ مسئلہ سکھوں کی موجودگی کے باعث سر رکھا تھا۔ اور تینوں کے معاشی و معاشرتی مفادات کچھ اس طرح بٹ گئے تھے کہ ایک دوسرے کے خلاف صف آرا ہونا ہی ان کا سب سے بڑا کمال تھا۔ پھر چونکہ ہندوستان کی حکومت انگریزوں نے مسلمانوں سے لی تھی۔ اس لئے ان کا ذہن ۱۸۵۷ء کی بغاوت اور بعد کے اثرات سے متاثر نہ ہو چکا تھا۔ علماء کے خلاف جنگ اہلیلا (۱۸۶۳ء) کے بعد خان غزن خان کی قہمیری پر جو پانچ مقدمہ ہائے سازش انہالہ (۱۸۶۳ء) پٹنہ (۱۸۶۵ء) راج محل (۱۸۷۰ء) مالوہ (۱۸۷۰ء) اور پٹنہ (۱۸۷۱ء) قائم کئے گئے۔ ان کے عمیق مطالعہ سے انگریز نہ صرف یہ کہ مسلمانوں کے معاملہ میں خوفزدہ ہو چکے تھے بلکہ وہ نہیں مختلف واسطوں سے زید کرنے کی فکر میں تھے۔

اس ضمن میں تاریخ کا یہ افسوسناک پہلو ہے کہ مرحوم پنجاب نہ صرف ان کا سب سے بڑا معاون ہو گیا بلکہ بہت سے راستے ان کے حق میں ہموار ہوتے چلے گئے۔ خود مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ان کا سوا عظیم ان مٹھی بھر مسلمانوں کے قبضہ قدرت میں تھا جو برطانوی اسپر یلزم کے شعوری یا غیر شعوری طور پر فرستادہ تھے حتیٰ کہ

برطانوی شاطروں نے خود مسلمانوں ہی کے ہاتھوں مذہب کی ان بنیادوں کو اکھڑوانا چاہا اور اس میں برہی حد تک کامیاب بھی ہو گئے جن بنیادوں پر برطانوی ملوکیت کے خلاف جدوجہد کا قلعہ اُستادہ تھا۔ ایک بڑا ہی دردناک سانحہ ہے کہ علمائے حق کے خلاف۔ میں سے فتوے جاری ہوئے۔ جہاد کی تہجیح کا الہام (مرزا غلام احمد قادیانی) بھی۔ میں تصنیف کیا گیا۔ دنیائے اسلام کے خلاف تعویذوں کا انہار بھی۔ میں تیار ہوتا رہا اور خلافت عثمانیہ کی شکست پر اس صوبے ہی کے خانہ زادوں نے چراغاں کیا۔

اب غور کیجئے جو صوبہ برطانوی ملوکیت کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہو جہاں کے لوگ تین قومی دائروں میں مختلف و متضاد مفاد رکھتے ہوں اور مفاد ان کے لئے موت و حیات کا مسئلہ ہو حتیٰ کہ قومی بیداری یا ملی استقلال کے راستے میں سب سے برہی روک خود مسلمانوں کی معاشی اور دینی گدیوں کا وجود ہو۔ اور پست ہمتی کے پہلو یہ پہلو دینی گمبھیاں ان کے خون میں سرایت کر چکی ہوں۔ اس فضا میں شاہ جی کا لعرہ جہاد بلاشبہ قدرت کے انعامات میں سے تھا اور ان کا وجود آیات من اللہ۔ اس کی تفصیل بیان کرنے کا یہ محل نہیں لیکن اس تاریک دور میں مولانا ظفر علی خاں کا ”زمیندار“ و ”ستارہ صبح“ اور دو چار برس کے فاصلے سے سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی خطابت اور ایک خاص موڑ پر ان کے ہمنواؤں کی جماعت ایسی بے مثال طاقت اور گراں بہا سرمایہ، میں کہ تاریخ کے اعتراف کے بغیر ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھ سکتی۔

ادھر یہ بات بڑے زور سے کبھی گئی ہے کہ شاہ جی اردو کے سب سے بڑے خلیفہ تھے۔ ان کے بیان میں جادو اور ان کی زبان میں سحر تھا۔ ان کے حرف حرف پر لوگ سر و ہنٹے اور موتی چنتے تھے۔ ان کے خدا، رسول اور اسلام سے حقن کی حکایتیں بھی زبان زد عام ہیں اور لوگ مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں۔ مگر ان کی خطابت نے جن بتوں کو توڑا اور ان کی فراست نے جن فوجوں کو پسپا کیا ان کا ذکر پس منظر میں چلا گیا ہے۔ حالانکہ دوسری اہم چیزیں پس منظر کی تھیں۔ ان کا سب سے بڑا کمال جی یہ تھا کہ انہوں نے ملک کے مجدد کو توڑا اور قوم کی سیاست میں مردانگی کا جوہر پیدا کیا۔ فی الجملہ ان کا وجود منعمات میں سے تھا۔ انہیں پورے ملک میں وہ لہجہ پھر گہر خوبوں کے باعث ایک عہد اور ایک ادارہ تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ قیادت و سیادت اور خطابت و سیاست کی ایک انجمن تھے۔ شاید ہی کوئی ایک شخص ان خصائص کے اعتبار سے ان کا ہمسرہ ہو۔ انہوں نے پچاس سال کا عرصہ صلہ و اجر کی ہر خفی و جلی خواہش کے بغیر بسر کیا اور یہ شرف صرف انہی کو حاصل رہا کہ:

۱۔ اس برصغیر میں ان کی آواز کا جادو سر کرتا رہا اور خلاف ساراج ذہن نے ان کے آتش کدے سے نشوونما کی حرارت پائی۔

۲۔ مسلمان نوجوانوں میں برطانوی ملوکیت سے وابستہ رہنے کا جذبہ ایک عرصہ سے راہ پارہا تھا۔ انہوں نے اس جذبے کو ریخ و بن سے اکھاڑا۔ جن نوجوانوں نے ان کی آواز پر لہجہ کماہو زیادہ تردد میانے طبقے کے لوگ تھے جن بے عوامی تحریکوں میں لیڈر شپ پیدا ہوتی ہے۔

۳۔ غریبوں کی ایک ایسی جماعت (مجلس احرار اسلام) تیار کی جو امراء کے استعمالات سے براہ و خستہ ہو

کر نہ صرف طبقاتی شعور کی راہ پر آگئی بلکہ بازار سیاست کے معرکہ ہائے خرید و فروخت سے بلند و بالا ہو کر کام کرتی چلی گئی۔

۴۔ مسلمانوں میں فعال سیاسی کارکنوں کا ایک ایسا گروہ پیدا کیا جس کا عام حالات میں قسط تھا۔ اس گھیب ہی سے اعلیٰ پایہ کے وہ مقرر پیدا ہوئے جنہوں نے انقلابی ذہن کی نقش آرائی میں قابل قدر حصہ لیا۔

۵۔ عوام کے دلوں میں نہ صرف استحصالی گروہ کے خوف کو دور کیا بلکہ ان کے جوہر خودی کو یہاں تک پروان چڑھایا کہ قربانی و ایثار کا تاریک راستہ روشن ہو گیا۔

۶۔ مسلمانوں میں جن سیاسی و دینی بدعات کو بالائزمام رائج کیا جا رہا تھا ان کا سانچہ توڑ ڈالا اور بعض معاشرتی خرابیوں کا سد باب کیا۔

۷۔ خطابت میں نئی نئی راہیں پیدا کیں قیادت کے کارہ لیس ذہن کو ختم کیا۔ سیاست کو امراء کی جیبی گھڑی یا ہاتھ کی چھڑی بننے سے روک دیا اور اس کا ایک عوامی مزاج بنا ڈالا۔ اگر تحقیق کی جائے تو یہ بات بھی ٹکھ کر سامنے آجائے گی کہ تشو نہما کے اعتبار سے اردو کا دامن ان کی خوبی گفتار کا سنت پذیر ہے۔

یہ حقائق اتنے واضح ہیں کہ نعت صدی کے سیاسی شب و روز کا واقعہ نگار خود شاہ جی کے سونے والے افکار میں سے تاریخ کی بعض گمشدہ کڑیاں تلاش کر سکتا ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ اس فرض سے کون عمدہ برآ ہوتا ہے۔

فرمایا: میں ان سووروں کا ریوڑ بھی چرانے کو تیار ہوں جو برٹش امپریلزم کی کھیتی کو ویران کرنا چاہیں۔ میں کچھ نہیں چاہتا۔ ایک فقیر ہوں۔ اپنے ناناکے سنت پر مٹنا چاہتا ہوں۔ اور اگر کچھ چاہتا ہوں تو صرف اس ملک سے انگریزوں کا انخلا۔ دوہی خواہشیں ہیں۔ میری زندگی میں یہ ملک آزاد ہو جائے۔ یا پھر تختہ دار پر لٹا دیا جاؤں۔ میں ان علماء حق کا پرچم لئے پھرتا ہوں۔ جو ۱۸۵۵ء میں فرنگیوں کی تیج بے نیام کا شکار ہوئے تھے۔ رب ذوالجلال کی قسم مجھے اس کی کچھ پرواہ نہیں کہ لوگ میرے بارے میں کیا سوچتے ہیں۔

قریباً دنیا میں ایک چیز سے محبت کرتا ہوں اور وہ ہے قرآن! مجھے صرف ایک چیز سے نفرت ہے۔ اور وہ ہے انگریز! میں سمجھتا ہوں کہ زندگی کے تجربوں اور مشاہدوں نے میرے ان دو جذبوں میں بلا کی شدت اور حرارت پیدا کر دی ہے۔ محبت اور نفرت کے یہ دو زاویے ایسے ہیں کہ جن دماغوں میں ان کا سودا ہوا ان کے لئے پابہ زنجیر ہندوستان میں جیل خانہ زندگی کے سفر کا ایک ایسا موڑ ہے۔ جہاں کبھی طلب کے خیال سے رکنا پڑتا ہے کبھی فرض کی کشاکش لے آتی ہے اور کبھی جستوں نے منزل کا تھکا ہوا پہنچا دیتا ہے۔ یہ صبح ہے کہ اب جیل خانے کی آبرو پر بواہوسوں نے پیش دستی شروع کی ہوئی ہے۔